اسلام کی فکر حاضر میں موزونیت

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ فکر حاضر کے خصوصیات کیا ہیں؟ اس کے بعد اسلامی تعلیمات کے حوالہ سے یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ اس ''فکر حاضر'' کے ساتھ کتنی موزونیت ہے۔

یہ یادر رکھنا چاہیے کہ ہمارے موضوع میں ''فکر حاضر'' کو مرکزِ نظر بتایا گیا ہے، دورِ حاضر کا عمل نہیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ کسی فرد یا جماعت کا خود عمل اس کی فکر سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ اس صورت میں وہ عمل اہمیت نہیں رکھتا اس لیے کہ وہ اکثر خارجی دباؤ کا تقاضا ہوتا ہے یا جذبات نفس کا تقاضا جو داخلی دباؤ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن فکر دماغ کے فیصلے یا ضمیر کے تقاضے کا نام ہے جو اکثر بےلوث ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مستند ہے بلکہ وہ اس شخص یا جماعت کے فعل کے خلاف سند بنتا ہے مثلاً ایک چور بھی چوری کو اچھی بات نہیں سمجھتا۔ اسی طرح جھوٹا جھوٹ کو اسی طرح دغاباز دغابازی کو۔ ورنہ چور یا جھوٹا یا دغاباز کہے جانے سے برا نہ مانے۔ اب یہاں چوری یا جھوٹ یا دغابازی، وہ تو اس کا عمل ہے اور یہ چور یا جھوٹے یا دغاباز کے عنوان کو برا سمجھنا اس کی بےلوث فکر ہے جسے ہم ضمیر کا فیصلہ کہہ سکتے ہیں۔ ایک بڑی وقیع شخصیت کی زبان میں یہ اس کے اندر کی آواز خود وہ ایک عدالت ہے جس کے کٹہرے میں وہ مجرم کی صورت میں کھڑا ہوتا ہے۔

تو بس اس سے سمجھ لیجئے کہ ہمیں دنیا کے ''عملِ حاضر'' سے اس وقت بحث نہیں ہے بلکہ ''فکرِ حاضر'' سے بحث ہے اور اس کے اعتبار سے اسلام کی موزونیت پر نظر ڈالنا ہے۔

اس کے لیے پہلے ہمیں ''فکرِ حاضر'' کی امتیازی خصوصیت یا کچھ خصوصیات کو دیکھنا ہوگا۔ پھر اس کے سلسلہ میں اسلام کے بنیادی اصول اور تعلیمات پر مجمل طور سے نظر ڈالی جائے گی کیونکہ تفصیل کے لئے یہ وقت اور موقع موزوں نہیں ہے۔

''فکر حاضر'' کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا ''تقلیدِ سلف'' کے پھندے سے آزاد ہورہی ہے۔ روایات قدیم کی اندھا دھند پیروی کرنے کے لیے وہ تیار نہیں ہے بلکہ آزاد نظر کے ساتھ دیکھنے اور آزاد دماغ کے ساتھ سوچنے کا رجحان رکھتی ہے۔ ممکن ہے کہ عملی طور سے اس سلسلہ میں کچھ قدم حدّ اعتدال کے خلاف اٹھیں۔ یا جدّت پسندی حدودِ افراط کی سرحد تک پہنچ جائے یا تقلیدِ سلف کے غلط جذبہ کے ردعمل میں تبدیلی کا ذوق صرف شوق کی حیثیت اختیار کرے جس میں معقولیت کا کوئی دخل نہ ہو مگر یہ میں پہلے کہہ چکا کہ ہم کو عمل کے صحیح یا غلط ہونے سے بحث نہیں ہے بلکہ اصل فکر کی نوعیت سے بحث ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید بہت حد تک تعقّل وتفکّر میں سدّ راہ ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ انسانی شرف چونکہ عقل وعلم سے وابستہ ہے اس لیے یہ تقلید کورانہ کا جذبہ اور ذہنی غلامی انسانی شرافت کے منافی چیز ہے۔

اب اس حیثیت سے جب ہم دیکھتے ہیں تو اسلام وہ واحد مذہب نظر آتا ہے جس نے عقل ونظر کے دروازوں کو کھولا ہے، غور وفکر کی دعوت دی ہے اور آنکھ بند کرکے بزرگوں کے ڈھرّے پر چلے جانے کی سخت سے سخت الفاظ میں مذمّت کی ہے۔

وہ کبھی مجمل طور پر مختصر جملوں میں شرافت انسانی کو بار بار

تازیانے لگاتا ہے کہ ''اَفلَا یَعقِلُوْن''، ''کیا یہ عقل سے کام نہیں لیں گے؟'' ''اَفلَا یَتَفَکَّرُوْن''، ''کیا یہ غور وفکر نہیں کریں گے؟'' ''اَفلَا یَتَذَکَّرُوْن''، ''کیا یہ سبق نہیں لیں گے؟''

اور کبھی کافی سخت لب ولہجہ میں یوں مذمت کرتا ہے کہ ''لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ'' (اعراف:۱۷۹) ''ان کے پاس دل ودماغ ہیں جن سے وہ سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بدتر ہیں۔

''بدتر'' اس لیے کہا گیا ہے کہ ان چوپایوں کے پاس عقل وفہم کی طاقت ہے ہی نہیں تو وہ اپنے اس نقص پر قابل ملامت نہیں ہیں اور یہ بدنصیب آدمی یہ سب طاقتیں رکھتے ہوئے ان سے کام نہیں لیتے لہٰذا یہ مذمّت کے ساتھ مورد ملامت بھی ہیں۔

پھر اس آزاد غور وفکر کے خلاف جو جذبہ کارفرما ہوتا ہے یعنی وہی تقلید اسلاف، اس کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔ اس طرح کہ پہلے نقل قول کے طور پر ان کا یہ استدلال پیش کیا کہ ''اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ'' (زخرف:۲۳) ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راستے پر چلتے دیکھا ہے اور ہم اسی راستے پر چلے جائیں گے۔'' پھر اس دلیل کی رکاکت پر یہ کہہ کے روشنی ڈالی کہ ''اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ'' (بقرہ:۱۷۰) ''کیا چاہے ان کے باپ دادا نے خود عقل سے کام نہ لیا ہو اور نہ صحیح راستا اختیار کیا ہو۔'' مطلب یہ ہے کہ انسانی شرف کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہر چیز کو یوں پرکھے کہ وہ صحیح اور معقول ہے یا نہیں اور جو بات معقول ہو اسے اختیار کرے اور جو اس راستے پر نہ ہو چاہے وہ اپنے باپ دادا ہوں انھیں سمجھے کہ وہ غلط راستے پر تھے اور ہمیں اس راستے پر نہیں چلنا چاہیے۔

چونکہ موجودہ زمانہ کی فکر کا رجحان بھی یہ ہے اس لئے اسلام کی دعوت بالکل موجودہ فکر سے مطابقت رکھتی ہے۔

دوسری خصوصیت ''فکر حاضر'' کی مطالعۂ کائنات کا ذوق و شوق جو سائنس کی ترقیوں کا سرچشمہ ہے۔

اس کے لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو قرآن نے اپنے اصول اساسی یعنی خدا کی معرفت کے لیے بار بار مطالعۂ کائنات ہی پر زور دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

''اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ'' (اعراف:۱۸۵) ''کیا انھوں نے آسمان و زمین کی کائنات اور جو جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر غور نہیں کیا؟''

وہ چھوٹے بچوں اور عوام کے ذہن کی اس خصوصیت کے پیش نظر کہ وہ وسیع کلّیوں سے وہ اثر قبول نہیں کرتا جو جزئی مثالوں پر توجہ دلانے سے اثر قبول کرتا ہے۔ اس بارے میں تفصیل اور طول کلام سے کام لیتے ہوئے اس طرح بے خبر ذہن کو گویا شانہ ہلا ہلا کر جگایا ہے کہ:

''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔'' (بقرہ:۱۶۴)

یقیناً آسمان وزمین کی تخلیق اور رات دن کے آنے جانے اور ان جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کے فائدہ کی چیزیں لیے ہوئے رواں ہیں اور جو اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے تو اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور جو اس نے زمین میں ہر طرح کے چلنے پھرنے والے جانور پھیلائے ہیں اور ہواؤں کی گردش اور اس بادل میں جو آسمان و زمین کے ماتحت کسی کے قبضۂ قدرت میں اسیر رہتا ہے نشانیاں ہیں ان کے لیے جو عقل سے کام لیں۔

(بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔صفحہ ۱۰ / پر)

سے ایک سمجھوتا کرلیا جائے جس میں اپنی عزت بھی برقرار رہے اور پھر اسلام سے وابستہ بھی ہو جائیں یہ سوچ کر وہ رسولؐ کے پاس آئے اور کہا کہ آیئے ہم اور آپ ایک سمجھوتا کرلیں ایک سال یا کچھ دن آپ ہمارے خداؤں کی پرستش کر لیجئے پھر ہم ایک خدا کی عبادت کریں۔ جب رسولؐ اس پر راضی نہ ہوئے تو ان لوگوں نے کہا کہ اچھا ایک دن صرف آپ ہمارے بتوں کی پرستش کر لیجئے اس کے بعد پھر ہم زندگی بھر آپ کے خدا کی عبادت کرتے رہیں گے۔ اس سورہ میں اس پیش کش کا جواب دیا گیا۔

اگر ظاہری اور سطحی طور پر غور کیا جائے تو سیاسی اعتبار سے اگر رسولؐ صرف ایک دن کے لئے بتوں کی پرستش (معاذ اللہ) کر لیتے تو ایک کثیر جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو سکتی تھی اور جماعت بھی وہ جماعت جو وقتاً فوقتاً رسول اسلام کو طرح طرح سے تکلیفیں اور اذیتیں پہنچایا کرتی تھی۔ اسلامی تبلیغ اور اسلامی قوانین کی طرح طرح سے بیخ کنی کی کوشش کیا کرتی تھی جس سے بہر حال تبلیغ میں ایک رخنہ پڑ جاتا تھا۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو جاہل کفار کی یہ انتہائی سیاسی چال تھی اگر رسول اسلام ان کے کہنے پر بفرض محال عمل کر لیتے تو پورے نظام اسلام کی ہیئت بدل جاتی درحقیقت کفار اسلام کے سب سے بڑے اصول کو تڑوانا چاہتے تھے اور ایک نیا اصول منوانا چاہتے تھے۔

اسلام نے اگر سب سے پہلے جس اصول کی تبلیغ کی وہ توحید ہی تو تھا ایک خدا کی عبادت کی طرف دعوت ہی تو تھی۔ اگر رسولؐ اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی معاذ اللہ کافروں کے قول کو تسلیم کر لیتے تو اسلام کا سب سے پہلا اصول اور اہم اصول، یعنی کہ عبادت صرف خدائے واحد ہی کی ہوسکتی ہے غیر خدا کی عبادت نہیں ہوسکتی۔ شکستہ ہو جاتا اور پھر مقصود کبھی حاصل ہی نہ ہوسکتا تھا کیونکہ پھر تو کافروں کے پاس اسلام کی رد میں یہ ایک بڑی دلیل ہو جاتی کہ غیر خدا کی بھی عبادت کی جاسکتی ہے لہٰذا جب غیر خدا کی عبادت ہوسکتی ہے تو پھر ہم ان کو کیوں ترک کریں جن کو سیکڑوں برس سے ہمارے آباؤ اجداد پوجتے آرہے ہیں۔ لہٰذا اسلام کا سب سے پہلا اور انتہائی اہم اصول ٹوٹ جاتا اس بنا پر رسول اسلامؐ نے صاف صاف انکار کر کے اپنے اصول کا تحفظ کیا۔ یہی اصول پروری ایک محافظ قانون کی زندگی میں اہم ترین چیز ہے جس میں پیغمبر اسلامؐ معراج کمال پر نظر آتے ہیں۔



(بقیہ۔۔۔۔۔اسلام کی فکر حاضر میں موزونیت)

بے شک قرآن کا نصب العین اس مطالعۂ کائنات سے ضمنی طور پر وابستہ ہے کہ اسے اس ذریعہ سے ان کے پیدا کرنے والے یعنی خدا کی طرف ذہن کو لے جانا منظور ہے مگر دنیا کا وسیع سے وسیع پیمانہ پر اس مطالعہ میں مصروف ہو جانا جو اس دور کی خصوصیت ہے اسے اس مقصد سے جو قرآن کا نصب العین ہے بلاشبہ قریب کرنے کا ذریعہ ہے چنانچہ باخبر افراد محسوس کرتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ سائنس داں لوگ عموماً وجود خدا کے منکر ہوتے تھے مگر اب سائنس کی ترقی کے ساتھ ان میں وجود خدا کا عقیدہ بڑھتا جاتا ہے اور اس صورت میں کافی وجہ یہ سمجھنے کی ہے کہ جتنی سائنس اور زیادہ ترقی کرتی جائے گی اتنی اس منزل سے قریب آئے گی جس کے لیے قرآن نے مطالعۂ کائنات کی دعوت دی تھی۔

تیسری خصوصیت

موجودہ فکر کی تمدنی اور اجتماعی پہلوؤں میں حالات سے بے اطمینانی اور مختلف تہذیبی نظاموں کے تجربات میں مصروفیت ہے۔ سرمایہ داری کے خراب نتائج اور آثار کا آنکھوں کے سامنے آجانا۔ یہ افراط اور تفریط کے درمیان انسان کی دوڑ، ان تجربات کی ناکامی کے ساتھ فطری طور پر اس منزلِ اعتدال کے قریب لانے کا سبب ہے جسے اسلام پیش کرتا ہے۔ جہاں انسان کی انفرادی جدوجہد کی قیمت بھی ختم نہیں ہوتی اور آدمی دولت کا پجاری بھی نہیں بنتا۔ جہاں کسبِ مال ممدوح مگر جمعِ مال مذموم ہے اور جہاں غریب کی امداد کے ساتھ امتنان کا تصور جرم اور ادائے فرض کے ساتھ رضائے خداوندی کی نیت شرطِ لازم ہے۔

یہ ہے اسلام کے اقتصادی نظام کی خصوصیت جس کی تفصیل مختصر وقت میں ناممکن ہے۔

چوتھی خصوصیت

موجودہ دور میں نوع انسانی کے افراد کے درمیان امتیازات کے دور کرنے کا رجحان اور اخوّت و مساوات پیدا ہونے کی خواہش ہے اور اس اخوت و مساوات کا انتہائی مکمل درس اسلام نے دیا ہے۔ اس لیے دنیا کا موجودہ فکری رجحان اسے خواہ لاشعوری طور پر ہو اسلامی نظام سے قریب لا رہا ہے۔ ❁❁❁